© rasailojaraid.com

ورفعنا لک ذکرک

طائر خیال کی بلند پروازی
فکر انسانی کی فلک پیمائی

تحریر: جناب غلام سرور قریشی۔عباس پورہ جہلم

شاعر کی مبالغہ آرائی، اگر یہ سب جمع ہو جائیں تو بھی شانِ محمدیؐ کی اس معراج کو نہیں پا سکتیں جو ملیک مقتدر نے اپنے حبیب کی شان، اپنے ملوک الکلام، قرآنِ عزیز کے اس مختصر فرمان ﴿وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ میں بیان کر دی ہے۔ اولیں نعت خوان نبی کریم ﷺ حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے اوصاف حمیدہ، کمالاتِ حسنہ اور سیرت طیبہ کے ساتھ جسمانی شمائل نفسیہ کا ذکر کرتے تو حضور اکرم ﷺ پسند فرماتے اور ان کو یہ کہہ کر داد دیتے کہ جب تک وہ ان کے خصائل عالیہ کا ذکر جمیل کرتے اور کفار کی بدزبانیوں کا کرارا جواب دیتے رہتے ہیں، جبرئیل علیہ السلام ان کی تائید کیلئے ان کی پشت پر کھڑے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کا ذکر جس بلندی پر پہنچا دیا ہے، اس پر کوئی اضافہ کرنا مجھ جیسے ضعیف الفکر اور کوتاہ اندیش امتی کیلئے محال ہے۔ میں ہمالیہ کی فلک بوس چوٹیوں کی رفعت سے آشنا ہوں یا انسانی حد نگاہ یعنی افلاک کی بلندیوں کا تصور کر سکتا ہوں۔ شمس و قمر اور زہرہ و ثریا کی معراج کو اپنے دامِ تصور میں لا سکتا ہوں مگر اللہ تعالیٰ نے جس عرشِ اعظم پر بیٹھ کر ﴿وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ فرمایا ہے اس کی انتہا سے نابلد ہوں تو اس فرمان ربی پر کوئی اضافہ کیسے کر سکتا ہوں۔ شان محمدیؐ کے بیان کی سعادت کا شوق یہاں اپنے اعتراف عجز کا اظہار کر کے مطمئن ہو جاتا ہے کہ اپنے حبیب کا ذکر خود اللہ کا کام ہے اور ہم صرف اسی پر سر دھنتے ہیں کہ ﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾ یا پھر ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا فیصلہ سن کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ وہ خانہ اقدس کے صحن میں تھیں، پاس ہی نبوت کا بدرِ منیر، آسمان کے بدر منیر کے مقابل رخِ انور کئے لیٹا تھا۔ اماں جی فرماتی ہیں میں ایک نظر سے حضور اقدس ﷺ کے چاند جیسے چہرے کو دیکھتی اور دوسری نظر سے بدرِ منیر کو اور یہ تقابلی مشاہدہ تا دیر جاری رہا اور میرا آخری فیصلہ یہی ہوا کہ آسمان پر چودھویں کا چاند، حضور اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس سے ماند تھا۔

حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر پہلو اتنا تابناک تھا کہ اس کی تابانیوں کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے آپ کو کبھی ''یٰسین'' کبھی ''طٰہٰ'' کبھی ''والضحیٰ'' کے نام سے پکارا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کو جزو ایمان یوں بیان فرمایا ''اللہ کی قسم تم مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک اپنی جان، اپنی اولاد اور ماں باپ سے زیادہ محبوب نہ رکھو۔'' پھر فرمایا ''اللہ کی قسم تم مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے تمام مشاجرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں آخری حکم تسلیم نہ کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں خصائص نبوت پائے جاتے تھے۔ ابھی یہ آیت نہ اتری تھی کہ اس منافق کو قتل کر دیا جو نبی کریم ﷺ کے فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے ان کے پاس فیصلہ کرانے آیا تھا۔ عمر کی غیرت پر یہ اقدام بڑا ہی شاق گزرا۔ مقتول کے اولیائے دم نے بڑا شور مچایا اور اسے قتلِ ناحق ٹھہرا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حوالگی کا مطالبہ کیا کہ یہ آیت نازل ہوئی ﴿فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم﴾ یہاں وہ لوگ ضرور غور کریں کہ ان کا انجام اور مقام عنداللہ کیا ہوگا جو اپنے معاملات کا آخری حکم، اسلام کی جگہ کسی دوسرے ازم (ISM) یا فلسفۂ حیات کو بنانا چاہتے ہیں۔

اس سرورِ عالم، امام القبلتین اور امام الانبیاء ﷺ کا فقر قابل دید ہے۔ یہی وہ حیثیت ہے جس پر آقائے نامدار ﷺ کو فخر تھا جبکہ آپ اتنے جامع حیثیات تھے کہ ایک ایک حیثیت پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ رحمت، رافت، جود و کرم، عفو و درگزر، زہد و عبادت، حسنِ اخلاق، حسنِ تکلم، خوئے تبسم، روئے تبسم، فراخ دلی، کم گوئی، کم خوری، کم خوابی اور ہر وہ خوبی جو کسی نبی کے لائق تھی اور جو پہلے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملی تھیں، آپ کی ذات پاک وہستی ستودہ صفات ان سب کی حامل تھی، اسی لیے آپ ﷺ کی زندگی کو اسوۂ کامل کے طور پر نوعِ انسانی اور خصوصاً آپ ﷺ کی امت کیلئے قرآن نے مقرر کر دیا۔ اس اسوۂ کامل کا حامل، وہ بشر رسول تھا جو بشریت کے سارے بشری تقاضوں کے ساتھ انسانِ اکمل اور پیغمبر اعظم و آخر تھا۔ اس کی جامعیت اور اکملیت کا یہ کمال ہے کہ اس کے کسی امتی کو اپنی اپنی انفرادی حیثیت اور نجی، معاشرتی، دینی اور دنیوی اور اجتماعی زندگی میں آپ ﷺ کی موجودگی میں اور پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد آج 14 سو سال تک کوئی ایسا مقام نہ آیا جہاں اس کی راہنمائی کیلئے اس اسوۂ کامل کی روشنی، سراج منیر کی طرح موجود نہ ہو۔

اُلّو اور چمگادڑ کو چھوڑیئے کہ انہیں آفتاب عالم تاب کی اشعۂ نور ریز میں بھی کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ ظلماتِ شب میں جیتے اور روشنی میں الٹے لٹک جاتے ہیں۔ سو ہمارے نزدیک وہ تمام لوگ چمگادڑ ہیں جنہیں اس سراج منیر کے اسوۂ لامع میں کوئی کوتاہی نظر آتی ہے اور وہ جدیدیت کے شوقِ فضول میں اس میں، مین میخ نکالتے اور اس میں کسی ترمیم یا تزئید کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اسلام کی تہذیب اپنی ہے۔ اس کا اپنا تمدن ہے۔ اس تمدن پر تہذیب عرب اور ہندو تمدن کے ٹوٹے لگانا ایسے ہی ہے جیسے ریشم پر ٹاٹ کی تھگلی لگانا۔ فلمی دنیا کے باسی اور موسیقی کے دل دادہ جو واہگہ کی سرحد کے آر پار ایک تہذیب کے قائل ہیں اور اس نظریاتی سرحد کو مٹا دینے کیلئے فلمی آرٹ اور فن کو، پاکستان اور انڈیا کو مشترک ثقافت کی دو جغرافیائی اکائیاں ثابت کرتے ہیں، پرلے درجے کے جاہل اور اسلام سے نابلد ہیں۔ وہ اس اسلام کے داعی ہیں جو دینا ملک بن کر ہندو اداکاروں کی بانہوں میں کھیلتی ہو اور یہاں آ کر مسلمان ہیروز سے چمٹ جاتی ہو۔ پاکستان کا دستور اور منشور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ کامل ہے اور بس! باقی سب ہوسِ نامراد!

© rasailojaraid.com